سلگتی بہاریں

(شعری مجموعہ)

ڈاکٹر فریدہ کول

سلگتی بہاریں

(شعری مجموعہ)

ڈاکٹر فریدہ کول

کتاب کا نام: سلگتی بہاریں

شاعرہ: فریدہ کول

اشاعت: 2010ء

قیمت: 200 روپے

مطبع: کاف پرنٹرس، سرینگر

انتساب

اپنے والد بزرگوار

مرحوم علی محمد کول صاحب کے نام

جن کی جگری کاوشوں نے

مجھے شعر گوئی کا حوصلہ بخشا

......فریدہ کول

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بہ خون جگر شود



پیش لفظ

''سکے لارک کے نام'' قصیدے میں مشہور زمانہ شاعر شیلے نے
ایک مرکب مگر جامع استعارہ استعمال کیا ہے، Heavy-Winged
Thieves ۔ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں گے یہاں یہ دکھانے کے لئے کہ
شاعری بالعموم اور ڈاکٹر فریدہ کول کی ''سلگتی بہاریں'' بالخصوص اپنے پروں
پر بھاری بوجھ اُٹھاتی ہے۔اس بھاری بوجھ کی وضاحت بھی اتنی ہی مشکل
ہے جتنی کہ Heavy-WingedThieves کی۔بات یہ ہے کہ
سّرِ دلبراں حدیث دیگراں میں پیش ہوتا ہے، چوری چوری۔ ہمارا سماج،
خاص کر وہ جو جاگیردارانہ تہذیب اور سرمایہ دارانہ تمدن کے بیچ میں کھڑا ہے
اور بقول فرائڈ وردی پوش سپاہیوں کی طرح [1] انسان کے ضمیر پر دباؤ ڈالتا
رہتا ہے، شاعری وائری، عشق وشق، پیار ویار نہیں جانتا بلکہ اپنی دراز دستیوں
سے کوتاہ دستوں کو ابھرنے نہیں دیتا۔سماج کے پاس تو وسائل ہی وسائل ہیں
مگر جب سارے وسائل ناکامیوں کا سگنل بجائیں تو خارجی مذہب یا رسم
ورواج کی گردن پکڑ سے کام لیتا ہے۔اپنے اپنے وقت میں بڑے بڑے
شاعروں کو سماج کے ٹھیکہ داروں کی تیز دھار تلوار کا سامنا کرنا پڑا، یہاں
وہاں اور سب جگہ۔اقبالؒ کو فسطائی بھیڑیا کہا گیا، حافظ شیرازیؒ کو میخواری

[1] فرائڈ نے ''سُو پرا یگو'' اصطلاح میں وردی پوشوں کو بھی پیچھے چھوڑا۔

کے تازیانے لگا دئے گئے۔فیض احمد فیضؔ کو کوئے یار سے سوئے دار کھینچ لیا گیا، اسرار الحق مجازؔ کو گلیوں کوچوں کا طواف کرایا گیا مگر یہ لوگ ہیں کہ Heavy-Winged Thieves کے پروں پر اپنا بوجھ لادے اپنا پیغام سُناتے گئے۔شیلےؔ نے کہا:

اے ہوا اُٹھ پھونک دے خود صورِ پیغامِ اُمید
شدّتِ سرما مسلّم موسمِ گل کی نوید

ڈاکٹر فریدہ کول صاحبہ جب دباو کے بھوت دیکھتی ہے تو گھبراتی ہے مگر گھبراتے گھبراتے اُٹھ کھڑی ہو جاتی ہے۔اقبالؒ بھی گھبراتے تھے اور جل جل کے بے کل ہو جاتے تھے اور چمنِ ہندوستان میں نغمہ سرائی سے کترانے کی سوچتے تھے مگر پھر کمر باندھے ہوئے کبھی کاخ اُمرا کے درودیوار ہلانے پر آتے تھے اور کبھی دامن یزداں کو بھی چاک کرنے کی تدبیریں کرتے تھے۔فیضؔ تغافل کے باوجود عرض تمنّا کرتے تھے۔اور پرورش لوح وقلم کے ساتھ ساتھ در و بام حرم کی بھی تزئین کرنے لگتے تھے۔جب ان کی زبان پر مہر لگائی جاتی تو وہ زنجیر کے حلقوں سے کام لیتے تھے اور چھَن چھَن چھَن سے سفاک مسیحا کا فرض نبھاتے تھے۔مجازؔ نے تو بیوہ کے شباب کو لافانی عظمت بخش دی مگر بُنئے کی کتاب کی ایسی خبر لی، ایسی خبر کہ باید وشاید۔ڈاکٹر فریدہ کول دخترِ ملتِ کشمیر، سہمی سہمی ہی سہی، سعدی شیرازی کے بقول ''جب انسان مجبور ہو جاتا ہے تو مغلوب بلّی کی طرح شکاری کُتے پر ٹوٹ پڑتا ہے''

اپنے آشوب سے گھبرا کر دانت پیسنے لگتی ہے اور ہمّت مرداں مدد خدا کا سہارا لئے "دسلگتی بہاروں" کا جھنڈا گاڑتی ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیئے اور حوصلہ افزائی بھی!

ڈاکٹر کول کی شاعری رنج والم کی عکاس ہے اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ شیلےؔ کہتا ہے کہ ہمارے پرخلوص قہقہوں میں کچھ نہ کچھ درد ملا ہوا ہوتا ہے اور ہمارے نغموں میں جبھی لذّت پیدا ہوتی ہے جب وہ گہرے دکھوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ کشمیری شاعر احمد صاحب بٹواریؒ تو کئی ایک قسم کی بانسری بجاتے ہیں جن میں درد بھرا ہوتا ہے اور وہ درد کی نئے میں رازِ دروں میخانہ بھر دیتے ہیں جس طرح مولانا رومیؒ نے بھر دیا تھا۔ شاعری میں عظمت خیال کی گہرائی سے آتی ہے اور گہرا خیال درد وغم سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ کون بڑا فنکار ہے اور شاعر جس کے فن میں، جس کے کلام میں درد اور غم اور الم بھرا نہ ہو۔ آنسو نورِ الٰہی کے پرتو کے غمّاض ہیں اور رونے والا شاعر خدا کا پیارا بندہ۔ البتہ اشک ریزی علالت طبع یا علالتِ روح سے پھوٹتی نہ ہو۔ بیماری بہر حال بیماری ہے۔ ڈاکٹر کول کے غم شاعروں کو بھی پیارے ہیں اور درد بھری دنیا کو بھی جو ظلم وستم سے نالاں ہے اور فن کاروں کے فن سے مداوائے غم چاہتی ہے۔ نیٹشےؔ نے بہت خوب کہا ہے کہ فوق البشر کے پاس پہنچنے کے لئے اگر کوئی بہت ہی مفید راستہ ہے تو وہ ہے رنج والم کا!

وجودی نفسیات (Existential Psychology) ادبی

تنقید کا جدید ترین زاویہ نگاہ ہے۔ ادیبوں کا، شاعروں کا اور دیگر فن کاروں کا کام ہے کہ وہ ہر اُس روش کو ٹھکرائیں جو اُن کے وجود کے اُبھرنے، پھلنے پھولنے کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ یہ کام آسان بھی نہیں مگر ''زمانہ باتو نسازد تو باز مانہ ستیز''! کیا کریں باہمّت شاعر کو زمانے کی سرد مہری اور عالم اشیاء کی سرداری (Consumerism)؟ وہ تو ورڈس ورتھ کی طرح ''لافانیت کی خوش خبری'' لائے گا اور اقبالؒ کی ''تسخیر فطرت'' نظم بھی پیدا کرے گا اور یہ اشعار بھی گنگنائے گا:

منکر حق نزدِ مُلّا کافر است
منکر خود نزدِ من کافر تر است

ڈاکٹر فریدہ کول کا وجود ہر اُس شے اور اس رَو سے بہت زیادہ اہم ہے جو اس وجود کو کچلنا چاہتی ہے۔ یہ وجود قصہ دار ورسن دہراتا ہے اور پکار پکار کر دل کے افسانوں کو خونین جامہ پہناتا ہے۔

ڈاکٹر کول کا فارم روایات کا احترام کرتا ہے مگر شاعرہ کی اپنی ذات کو ''انا'' کہنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ مثلاً

حسیں میں نہ سہی آپ کی نگاہ سہی
کہ خواب میں میرا سایہ جمیل ہوتا رہا
مجھ کو بھی یہ خبر نہیں ہے فریدہ

کس کے دل کس کی جان میں رہتی ہوں

یہ ساری کائینات اُسی پر ہے منحصر

دیکھوں جدھر بھی اُسی کا ہی جلوہ دکھائی دے

دنیا سازی نہیں دل سازی ہے ایماں میرا

جس کا پیغام محبت ہے وہ پیکر ہوں میں

تھا کیسا میخوار فریدؔ

پی کر بھی جو تشنہ تھا

آؤ ایمان دل کی بات کریں

یعنی آباد کائینات کریں

کول صاحبہ کو حُسن کا احساس ہے جو ورڈس ورتھ کو لافانی شاعر بناتا ہے اور ہمارے کشمیر کے رسول میرؔ صاحب ؒ کو۔ اس نے دانتے کا نام بھی سنا ہے اور گائٹا کا بھی۔ وہ حافظؔ شیرازیؒ سے بھی مانوس ہے اور اپنے اسداللہ غالبؔ سے بھی۔ ان بڑے شاعروں کے روایات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ خود بھی عظمت کے پاؤں چھُوے گی۔

ہم ڈاکٹر فرید کول صاحبہ کی جواں مردی اور ہمّت کا بہت احترام کرتے ہیں اور اُنہیں آگے بڑھنے اور بڑھتے رہنے کی صلاح دیتے ہیں!

حبیب

زبرون سری نگر ۲۳ فروری ۲۰۰۹ء

تعارف

شاعری تلاشِ ذات کا ایک تہہ دار عمل ہے۔ تلاشِ ذات کا سفر اتنا تسلی بخش اور مکمل نہیں ہے کہ ہر آخری شعر پر بس کیا جائے۔ ذات کی جستجو، تشنگی اور طلب کی آہٹیں جب سرگوشیاں کرتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ تو شعر وشاعری کا عمل وجود میں آتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ تلاشِ ذات اور جستجوئے منزل کی عدم تکمیل ہی ایک شاعر کو شاعر بنا دیتی ہے۔

میرے خیال میں شاعری میں تین چیزوں کا خاص عمل دخل ہوتا ہے۔ شاعرانہ تجربہ، شعور اور لاشعور۔ شاعرانہ تجربہ یقیناً خارجی نوعیت کا ہوتا ہے۔ جس میں شاعر کو ذرا احتیاط برتنا پڑتا ہے۔ البتہ شعور اور لاشعور میں وہ آزاد ہوتا ہے۔ مگر جو بھی کوئی جذبہ خیال یا احساس شعور اور لاشعور کے تصادم سے وہ بیان کرنا چاہتا ہو۔ اُس میں بے پناہ شدت، گہرائی گیرائی ہونی چاہیئے۔ پیش کش کا یہی تجربہ شعور اور لاشعور کے ٹکراؤ سے اُبھر آتا ہے۔ شعور فرد کے حال اور مستقبل سے منسلک ہوتا ہے۔ جب کہ لاشعور میں اُس کا ماضی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ یونگ ایک نفسیاتی ماہر نے فرد کے نسلی لاشعور کو اہمیت دی ہے۔ اُن کے نزدیک فن کی تخلیق میں فرد کا یہی نسلی لاشعور فنکار کا محرک ثابت ہوتا ہے۔ میرے خیال میں نسلی لاشعور سے مراد فنکار کا وہ ماضی ہوتا ہے جو اسے وراثت میں ملتا ہے۔ ماضی کے احساسات اور کیفیات کا ورثہ

ایک فرد کو اپنے خاندان اور ماحول سے ملتا ہے۔ جو کسی نہ کسی صورت میں چنگاری بن کے فنکار کے حال میں نمو پذیر ہوتا ہے۔ تخلیق کے اس قابل قبول اصول کے پس منظر میں جب مجھے اپنے احساسات کی موجیں اُچھلتی کودتی اور مچلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو مجھ کو لگتا ہے کہ میری ذات کی رگ رگ میں میرا نسلی لاشعور یعنی میرا ماضی نقش کر گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو مجھے تخلیقِ شعر کے وقت اپنی کم عمری کی اُن دُکھ بھری لوریوں کی گونج سنائی نہ دیتی، جو ماں کی گود میں کھلونوں کے بجائے سُننے کو ملی تھیں۔ پھر ناسازگار حالات کے سبب معصوم تمناؤں کے خون کا منظر آنکھوں کو بار بار نہ رُلاتا۔ کمسنی میں ہی ماتا کی گمشدگی کا غم اس درجہ نہ ستاتا۔ ناگفتہ تکالیف اور مصائب کا احساس اس قدر نہ گھیر لیتا۔ کشمکشِ حیات اور دھوڑ دھوپ کا شدید احساس بھی میرے لاشعور کا جز نہ بنتا۔ معصوم مگر مقدس اور پاکیزہ چاہتوں اور محبتوں کی نامرادی کے سبب دل پر لگے متعدد چوٹوں کی کسک شدت سے نہ ستاتی۔ حسن والفت، بے عنوان قصوں کا رنج وملال چہرے سے یوں نہ ٹپکتا۔ مقدر کی نارسائی کا اس درجہ گلہ بھی نہیں ہوتا۔ اپنوں اور بے گانوں کا اعتبار نہ کھو چکی ہوتی۔ گرد وپیش کے رشتوں اور ناطوں کو شک کی نگاہ سے نہ جھانکتی۔ ہر پل اجنبیت اور بیگانگی کی حبس میں گھٹ گھٹ کر راہ فرار اختیار نہیں کرتی۔ بے درد سماج کی بے دردی اور ناشناسی بھی میرے شعور اور لاشعور میں کہرام نہ مچادیتی جو مجھ میں بے چہرگی اور بے رخی کی شدید کیفیات کو جنم دیتی

ہے۔اس ڈگر پر جب میری نبھاہ ہونہیں پاتی ۔یا نبھانے والا سوائے اپنے کوئی نہیں ملتا۔تو تنہائی کے شدید محسوسات سایے کی مانند میرے ساتھ منڈلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اور پھر مجھے عمر رواں کا وہ جنمی سایا...... یاد آنے لگتا ہے۔جس کی گمشدگی کا عالم میرے عذاب وعتاب کا سبب بن جاتا ہے۔پھر میری خاموشی اور تماشہ بینی بن بادل برسات کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔میں اُمنڈ تے ہوئے سمندروں کو اندر ہی اندر جذب کر لیتی ہوں۔یہی ردعمل، یہی تاثرات اور یہی جذبات میرے ماضی اور حال کے وہ نقوش ہیں، جن سے میں بظاہر بہت دور ہوں لیکن جن کے میں بہت قریب ہوں۔جوں جوں میں ان کی لپیٹ میں آجاتی ہوں۔توں توں مجھ میں حیرت، وحشت، خوف، اضطراب، تڑپ، تشنہ طلبی، آرزو مندی، تجُسس اور محرومی جیسی شدید کیفیات جنم لیتی ہیں۔جو بعد میں میرے اشعار میں ڈھل کر اپنا احتساب کرتی ہیں۔مانا کہ میری شاعری سراسر اک اکتسابی کاوش ہے۔میں ابھی ریاضت کے کٹھن مراحل سے ہی گذر رہی ہوں۔میرے اشعار ادنیٰ سے ادنیٰ ترین ہیں یہ بھی تسلیم کرتی ہوں کہ ہیتی اعتبار سے ان میں آہنگ، زیر و بم اور لے کا فقدان ہوگا۔قطع نظر اس سے میری شاعری دوسروں کے محض اک تخیل، تصور، فلسفہ، لفظوں کی جادوگری ہی سہی۔مگر میرے لئے جذبہ اور احساس ہی اصل زندگی کا سرچشمہ ہے۔خارجی زاویوں کا بھی مجھے بے حد پاس ہے البتہ زندگی کی خوب صورتی کو محسوسات

کے آئینوں میں دیکھنے، پرکھنے اور محسوس کرنے کی زیادہ قائل ہوں، میں خوب جانتی ہوں کہ میرے بیشتر اشعار اور نظموں سے میری قنوطیت پسندی کی تصویر سامنے آجائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کی تخلیق کے وقت مجھ پر غم کی شدت طاری ہو چکی تھی احساس غم میں ڈوبی ہوئی آوازیں خود کلامی کی صورت میں میری زبان سے نکل پڑی ہیں۔لیکن اس قنوطیت پسندی کو ''غم کی رومانیت'' کا نام اگر دیا جائے تو بہتر رہے گا۔ کیونکہ شیلےؔ کے نظریہ شعر پر میری نگاہ ہمیشہ مرکوز رہتی ہے کہ '' **Our sweetest songs are those which tell us of the suddest thoughts** '' شیلےؔ کے بہترین اور شیرین نغمے اُس کے خیال کے مطابق شدید اور گہرے دکھ سے ہی جنم لیتے ہیں۔ مجھے میرا ادنیٰ نظریہ شعر کیٹس کے نظریہ شعر سے مطابقت رکھتا ہوا نظر آتا ہے، یہی سبب ہے کہ شدید اور گہرے دکھوں کے اظہار کے لئے میں نے غم، یاس، حسرت، حیرت اور رنج والم کا اسلوب ہی انتخاب کیا۔اگر چہ یہ میری شعوری کاوش ہے لیکن اس اسلوب کیلئے لاشعوری طور پر مجھ کو غموں اور دکھوں کی سوغات ملی ہیں۔شاید یہی وجہ کہ مجھے ہر غم زدہ چہرہ اپنا اور قریب لگتا ہے۔میں اُس کے غم، دکھ اور مایوسی اور پریشانی میں اُس کا ساتھ دینا اپنا اولین فرض سمجھ لیتی ہوں۔میرے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ میرا اپنا عزیز ہو، کوئی رشتہ دار ہو، کوئی ناطہ ہو۔ بلکہ ہر وہ اجنبی چہرہ جس کو میں دکھوں اور غموں میں ڈوبے ہوئے پاتی ہوں، خود

بخو داس کے دکھوں میں ڈوب جاتی ہوں۔

تلاشِ ذات کے تعلق سے احساس مرگ بھی میرے اشعار سے کہیں کہیں جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔ ایک جرمن فلسفی ''اُلکے'' کا قول یاد آتا ہے۔ جو یوں کہتے ہیں ۔''احساس مرگ ہی ایک شاعر کو سچے معنوں میں شاعری کے لئے اُکساتا ہے'' مجھے پتہ ہے کہ میں کوئی پرہیزگار بندی نہیں ہوں کہ شباب کے دور میں جوانی کو بھول کر اللہ اللہ کرتی رہوں۔ میں زندگی جینا چاہتی ہوں۔ لیکن مرگ کا احساس بھی ہرگز بھول نہیں سکتی ہوں۔ تلاشِ منزل کی کون سی یہ اُڑان ہے؟ کہہ نہیں سکتی ہوں۔ کہ جسم و بدن کی خاکی اور فانی رموز پر گہری نگاہ رکھتی ہوں۔ غالبؔ کے اس خیال کی قائل ہوں۔

جان دی دی ہوئی اُس کی ہے
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں بھی گوشت و پوست کی بنی ہوئی ہوں۔ سراسر فانی ہوں، خاکی ہوں، زندگی جیتے جیتے مرگ کی اٹل حقیقت کا گہرا احساس رکھتی ہوں۔ جس کی بنا پر میرے اشعار میں احساس مرگ کبھی دھیمے اور کبھی اونچے لہجوں سے نکلتا رہتا ہے۔ شوپنہار، نطشےؔ اور گوئٹےؔ تینوں عظیم اور برگزیدہ فلاسفر گذرے ہیں۔ اُن کی عظمت کا راز اُن کے ذہنی مرض میں پوشیدہ تھا۔ یہاں اُن کے ذہنی، مرض کو تخریبی صورت میں لینا ہرگز مقصود نہیں۔ بلکہ تعمیری صورت میں اُن کا ذہنی مرض اُنہیں عالمی ادب میں وہ جاوداں مقام عطا کر گیا جس کے وہ

حقدار تھے۔ بھلا میں اُن جیسی عظیم شخصیات کی فلسفی بن نہیں سکتی البتہ تشکیک
کے سایے ہر دم میرے ساتھ ساتھ منڈلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں خود
سے خائف ہو جاتی ہوں۔ فکر و نظر میں طوفان کا شور اور کہرام مچ جاتا ہے۔
ذہن کے شعور اور لاشعور کی تہیں آپس میں متصادم ہوتی ہیں اور اس عالم میں
اک ٹوٹا ہوا دل جام شراب کی صورت میں اضطراب، تڑپ، بے
چینی۔ چُھبن اور کسک کی شدت سے گردش میں آتا ہے۔ فکر و نظر کی یہی
کرب انگیزی میرے لئے تخلیقی مراحل کی پہلی سیڑھی بن جاتی ہے۔ جس کو
پار کر کے میں اندر کی مختلف کیفیات اور محسوسات کو چھلکتے ہوئے پاتی ہوں
اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ بس! میرا شعر ہو گیا۔ گو کہ میرا ذہنی مرض روز
میرے کسی نہ کسی خیال یا احساس کا موجب بن جاتا ہے۔ جو لفظ کا عملی جامعہ
پہن کر شعر بن جاتا ہے۔ **William Words Werth,**
Keats اور **Byron** کی عظمت کا راز اُن کی محبتوں کی ناکامی میں
پنہاں ہے اس نظریہ سے دیکھا جائے تو وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ کسی
معصوم رومانی جذبے ہی نے سب سے پہلے مجھے شعر گوئی کی طرف راغب
کر دیا۔ معصوم ذہن و دل پر کوئی خیالی صوررت چھائی۔ حسن و محبت کی
چنگاری سے دل روشن ہوا۔ لیکن ہائے! چنگاری ابھی جلنے نہ پائی تھی کہ سدا
کے لئے بجھ گئی، پھر اشکوں کے سمندر اُمنڈ آگئے، جنہوں نے میرے معصوم
قلم کو تحریک دی۔ اور شعر یکے بعد دیگر اتے ہوئے لگے۔ پھر محبتوں اور

چاہتوں کے اور کتنے موڑ آ گئے۔ لیکن ہر موڑ پر مسافتیں اور رکاوٹیں حائل ہوتی رہی، کہ تسلیم شدہ ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سب کے ردعمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوشت و پوست کی بظاہر معمولی ضعیف اور کمزور صورت میں مثالیت پسندی کے خدوخال خود بخود اجاگر ہونے لگے۔ آگاہ ہوں کہ کچھ تو حادثات، صدمات اور ناسازگار حالات نے اور کچھ تو اپنی نازک مزاجی نے مجھے عام سے ذرا غیر معمولی بن جانے کے لئے خام مواد فراہم کیا۔ لیکن یہ بھی جانتی ہوں کہ جس سماج کی میں فرد ہوں یہاں نارمل قائدے اور قانون کا چلن ہے۔ یہاں کے بعض قائدے اور قانون ایسے جامع، غیر متحرک اور روایتی ہیں۔ جن کو اپناتے ہوئے انسان کو آدم بن جانا پڑتا ہے۔ یعنی وہ لالچی اور خودغرض آدم جس کو "شجرِ ممنوع کا پھل" کھانے کی بنا پر جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ بعض اوقات میں بھی خود کو نارمل بنانے کی خاطر ذہن کو آمادہ کرتی ہوں۔ تاکہ اُن روایتی رسموں اور رواجوں پر کاربند رہ سکوں۔ لیکن میری یہ آمادگی وقتی ہوتی ہے "حوّا" کی بیٹی ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ ایسی بیٹی کہلائی جاؤں۔ جس میں بہت کم لالچ اور خودغرضی ہو۔ میری فکرونظر کا جب ایسا کوئی اصول میرے اشعار میں ڈھل کر سامنے آتا ہے تو پھر ناقدری ناسمجھی اور ناشناسی کا ڈراونا ردعمل صلے کے طور پر پالیتی ہوں۔ تو دل میں زبردست ہوک سی اُٹھتی ہے۔ ذات شناسی کا یہی درد و کرب اُگلنے لگتا ہے۔ جو اپنا اظہار چاہتا ہے لیکن جب آر پار نظریں دوڑا کر کسی کو سامنے نہیں پاتی

ہوں تو تنہائی کا کرب جنم لیتا ہے اور جھٹ ہاتھ میں کاغذ قلم لے کر اس سارے درد و کرب کو بیان کرنے کی شعرانہ کوشش کا سہارا لیتی ہوں۔ میرے ادنیٰ خیالات کے چھوٹے چھوٹے اشعار، الفاظ اور پیکر غالباً میری تنہائی کے نعم البدل بن تو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اندر ہی اندر تلاشِ ذات کے تعلق سے مخلص اور مثالی رشتوں اور ناطوں کی تلاش بھی جاری رہتی ہے۔ جو میرے شاعرانہ سفر کو جاری رکھتی ہے۔ اور میں جس شعر پر بس کرتی ہوں اُس سے پھر شروع کرتی ہوں۔ حالؔی کیا خوب کہہ گئے ہیں۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں؟

اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں؟

فن کے گہرے رموز کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو اندازہ ہوگا کہ میرے اشعار جہاں غم کی رومانیت، احساسِ مرگ احساسِ زیست، مثالی رشتوں کی تلاش اور ذات شناسی کے عکاس ہیں۔ وہاں ان سب جذبات اور کیفیات کے پسِ پشت میرا احساس جمال اور تلاشِ حُسن بھی کارفرما ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ میرا وجدان، میرا الہام، میرا رازِ بیان، میرا گُفتار و رفتار، میرا قول و فعل تصادم کے کٹھن مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ خارجی طور پر میں ایک صورت کی مالکہ ہوں لیکن مابعدالطبعیاتی صورتوں کے ہمراہ چلتی ہوں جہاں میرا ذوق وشوق اچھلنے لگتا ہے، مچلنے لگتا ہے۔ اور میرا احساسِ جمال سیراب ہونے لگتا ہے۔ According to Keats truth

is beauty and Beauty is truth" پس خوبصورتی میں ہی مجھے صداقت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ آسمان کی دھنک، سورج کی افق، چاند ستاروں کی رمق، سرُخ شفق سنہری کرنوں کی چمک، بادلوں کے جھنڈ، رم جھم کے جل ترنگ، پیڑ، پودوں اور پھولوں کی لہک اور مہک مختلف جانوروں کے گیت گانوں میں مجھے سچائیوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اور میں کائنات کی اس خوبصورتی میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ میں اکثر ظاہری اور باطنی صورتوں میں تناسب، جاذبیت، توازن، اعتدال اور ہم آہنگی کی طلب گار رہتی ہوں۔ میری یہ خواہش دراصل مجھ میں مجلسی حس کو بیدار رکھنا چاہتی ہے۔ عملی طور پر کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہوں کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں۔ اپنی منہ میاں مٹھو بن جانے سے بہتر یہی ہے کہ قاری کی رائے ہی حاصل کر سکوں۔ لیکن اس سچائی پر ایمان کامل رکھتی ہوں۔ جس کو ایک عظیم مفکر نے یوں پیش کیا ہے۔

"حُسن ہم آہنگی اور مناسبت ترتیب کا نام ہے
مناسبت اور ہم آہنگی ہی حاصل صداقت ہیں
اور جہاں اجتماع حُسن وصداقت ہو وہی خیر ہے"

جہاں تک میری عاشق مزاجی اور جمال پرستی کا تعلق ہے میں بھی اس نوع کی افتاد طبع میں توازن اور مناسبت کی زبردست متمنی رہتی ہوں۔ میں ذوق و شوق کی اُس ترنگ کو تلاش کرتی رہتی ہوں حسن میں توازن اور تناسب پایا

جائے۔ ان معنوں میں اگر میرا قاری میری شاعری کو حُسن پرستی کا نام دے۔تو میرا اصلی چہرا ابھرائے گا اور ''سلگتی بہاریں'' کا ہر سلگتا ہوا شعر شاید مجھے راحت اور ٹھنڈک بخش دے گا۔ بلکہ مجھے اور بھی **Inspire** کرتا رہے گا اور سچے معنوں میں حُسن پرست بن کر نہ جانے میں ان دیکھے حُسن کی اور کتنی گہری گہری کھائیوں کی کھوج لگا سکوں گی جن کو میں اشعار کی صورت میں قارئین کے سامنے رکھ سکوں گی۔ بحر کیف میں جنابِ مظہر امام کے اس شعر پر بس کرنا چاہتی ہوں:

؎ خوشبو میں مقید ہیں ہمارے گُل و لالہ
کھلتا ہے کہیں زخم کا دفتر تو ہمیں کیا؟

فریدہ کول



غزل

ہے دن کی روشنی میں جذب رات پڑھ لینا
کبھی فریؔد کی بے معنی بات پڑھ لینا

ہیں دیکھنے میں مرے حوصلے بلند ابھی
ہے ریزہ ریزہ مگر میری ذات پڑھ لینا

یہ زندگی کی اُلجھنیں کبھی سُلجھیں گی
کہ دشت میں جو لکھی ہے حیات پڑھ لینا

سجانا آنکھوں میں ہرگز نہ آرزو کے محل
کہ زندگی ہے یہاں بے ثبات پڑھ لینا



غزل

عمر بھر مجھکو تمنا رہی اُس صورت کی
راس آئی نہ مجھے اپنی ادا الفت کی

غم ایام کی آغوش میں ہر پل گزرا
کس قیامت کی تھیں گھڑیاں یہ مری وحشت کی

یاد آیا مجھے یہ میں کبھی دیوانی تھی
داستان چھیڑدی ہے کس نے مری وحشت کی

تونے کس غم سے نوازا نہ زمانے میں مجھے
کم ہے تعریف ہو جتنی بھی تری چاہت کی

خود سے ملاقات ہو کس لمحہ فریدؔ
کب میّسر اُسے ہوتی ہے گھڑی فرصت کی

غزل

دل و نگاہ پر کچھ ایسے چھا گیا کوئی
بجھا چراغ تھا دل کا جلا گیا کوئی

عجیب موج تھی اُس کی ادھر سے کیا گزرا
اُجڑ گیی تھی جو بستی بسا گیا کوئی

نظر نظر سے ملی تھی ہے اتنا یاد مجھے
بجھی چنگاری تھی جس کو جلا گیا کوئی

نگاہ شوق سے اک بار مُسکرا سا دیا
مجھے خود اپنا دیوانہ بنا گیا کوئی

سوائے ان کے نہیں کچھ بھی اک نظر میں فریدؔ
میری حیات پر کچھ ایسے چھا گیا کوئی

غزل

اب کیا کہوں کہ کہا ہے وہ کیا کیا دکھائی دے
اپنا نہ ہو کے بھی مجھے اپنا دکھائی دے

یہ ساری کائینات اُسی پر ہے منحصر
دیکھوں جدھر بھی اُس کا ہی جلوہ دکھائی دے

یہ زندگی بھی کرتی ہے انسان سے کیا مذاق
ساغر کی ہو تلاش تو صحرا دکھائی دے

جس راز کو چُھپاتا ہے وہ دل میں اے فریدؔ
وہ راز اپنی نظروں سے کہتا دکھائی دے



غزل

یہ میری التجا ہے آخری تحریر کرنے دو
فقط ترکِ تعلق کی مجھے تشہیر کرنے دو

سُلگتی ہوں میں جس بھی حال میں کیسے کہوں اُس کو
ملی جو یہ بدعائے زندگی تفسیر کرنے دو

میری آنکھوں میں ساری رات جو بھی رقص کرتا ہے
کسی صورت مجھے اُس خواب کی تعبیر کرنے دو

نہیں دستور یہ کوئی جہاں کو ترک کردینا
جو دل کی گمشدہ بستی ہے وہ تسخیر کرنے دو

جُدائی میں میرا احساس کھِلتا ہے نکھرتا ہے
نہ کوئی وصل کی ہو بات یہ تدبیر کرنے بات دو

فریدؔ اُس کا ہو کیا انجام یہ تو بحث لاحق ہے
مجھے تم آرزوؤں کے محل تعمیر کرنے دو



غزل

بزم وہم و گماں میں رہتی ہوں
ہر گھڑی امتحان میں رہتی ہوں

سنگ دل لوگ ہیں ہر اک جانب
پتھروں کے جہاں میں رہتی ہوں

کوئی بھی تو نہیں کہ بات کروں
اک خالی مکاں میں رہتی ہوں

رات دن ہے جو برق کی زد میں
میں بھی کسی آشیاں میں رہتی ہوں

مجھ کو بھی یہ خبر نہیں ہے فریدؔ
کس کے دل کس کی جاں میں رہتی ہوں

غزل

مرے سفر میں وہ یوں بھی دخیل ہوتا رہا
کہ سنگ راہ بنا، سنگِ میل ہوتا رہا

اُگا ہے شہرِ تمنا میں چاند جذبوں کا
اگر چہ وقت کا بندھن فصیل ہوتا رہا

میری نگاہ میں رسم و روش ہیں بے معنی
مزاج سادہ پسندی جلیل ہوتا رہا

حسین میں نہ سہی آپ کی نگاہ سہی
کہ خواب میں مرا سایہ جمیل ہوتا رہا

عظیم قتل ہے انصاف کا عدالت کا
کہ قاتل اپنے گنہہ کا وکیل ہوتا رہا

فریدؔ بارہا چاہا کہ مختصر ہو یہ
جو ذکر اُس کا چھڑا تو طویل ہوتا رہا

غزل

ہتھیلی پہ ایسے حِنا دیکھتی ہوں
لیکن مجروح اپنی انا دیکھتی ہوں

میں چھوتی ہوں جب بھی بدن کو ذرا سا
میں اس زندگی میں قضا دیکھتی ہوں

میری زندگی ہے عذاب مسلسل
لیکن میں ہر بار مثلِ قضا دیکھتی ہوں

یہی چاہتی ہوں برس جائے مجھ پر
جو اُس کی وفا کی گھٹا دیکھتی ہوں

فریدؔ اس سے دیوانگی ہے فزوں تر
جو غیر مستانہ اُس کی ادا دیکھتی ہوں

غزل

آئینہ بھی اسقدر لرزاں نہ تھا
عکس قایم تھا مگر حیراں نہ تھا

خوب واقف تھا یہ میرے عزم سے
وقت میرے حال پہ خنداں نہ تھا

حادثوں کا جب تھا پل پل سامنا
کوئی بھی گوشہ مرا پنہاں نہ تھا

جانتا تھا زندہ رہنے کا ہنر جو
زندگی میں وہ کبھی گریاں نہ تھا

زندگی اس طور سے گزری فریدؔ
غم تھے اتنے پھر بھی دل گریاں نہ تھا

غزل

اِسے شدتِ غم کے ماروں میں لکھنا
مرا نام بھی بے سہاروں میں لکھنا

جنہیں جذب کرتی ہے شب کی سیاہی
مرا ذکر ایسے ستاروں میں لکھنا

ملی ہے یہ موجوں کو کیسی جدائی
یہی بحر کے دو کناروں میں لکھنا

میرے نام جتنی بھی محرومیاں ہیں
یہ سب کچھ سُلگتی بہاروں میں لکھنا

فریؔد شکستہ کا جو حال بھی ہے
یہی شاعرانہ اشاروں میں لکھنا

غزل

وہ میری آنکھوں کو پانی دے گیا
جاتے جاتے کیا نشانی دے گیا

مُسکرایا اور چپ چپ سا رہا
میری سوچوں کو روانی دے گیا

خود تو وہ رسوا ہوا میرے لیے
اہل دنیا کو کہانی دے گیا

کس طرح سمجھوں اسے میں مستند
وہ جو پیغام زبانی دے گیا

جو بُھلا بیٹھے تھے دل سے اے فریدؔ
پھر وہ کچھ یادیں پرانی دے گیا

غزل

مئے گلرنگ کا ہر جام میرے نام لکھنا
یہ میخانے کی رنگین شام میرے نام لکھنا

ہوئی مدت جسے شام و سحر میں ڈھونڈتی ہوں
دل گم گشتہ کا پیغام میرے نام لکھنا

سوائے درد پیہم کے نہیں ہے کچھ بھی جن میں
محبت کے وہ صبح و شام میرے نام لکھنا

بہت مانوس اس کی ذات سے ہوں
جہاں تک ہو دلِ نا کام میرے نام لکھنا

فریدؔ خستہ پہ یہ کس قدر احسان ہوگا
جو ممکن ہو تو خالی جام میرے نام لکھنا

غزل

آپ مسافر آپ ہی رہبر
میں ہوں صدائے دل کا خوگر

وہ[1] مہر و اخلاص سے خالی
دل کی زمیں بھی کتنی بنجر

کون ہے یہ کس کی آہٹ ہے
آج دلِ خستہ کے اندر

اس دنیا میں صرف وہی ہے
کوئی نہیں ہے اُس کے برابر

دیکھ وفا کی راہ پر چل کر
راہوں میں ہیں غم کے پتھر

میرا ہر انداز الگ ہے فریدؔ
دیکھ کبھی مجھ سے بھی مل کر



۱۔ [illegible] کے دل کی زمین

غزل

سُنے وہ میرا افسانہ یہ میرے دل کی خواہش تھی
رواں آنکھوں سے خونِ آرزو کی تیز بارش تھی

سفر اس بار کتنا پُر خطر لگتا ہے اس دل کو
مگر جو راہ رو ہے میرے یہ اُن کی سفارش تھی

ہے جو پتہ یہاں وہ نوح خوانی کو اُڈ آیا
مگر یہ لوگ کہتے ہیں چناروں کی نمائیش تھی

فریدؔ خستہ جاں وہ مٹ گیی ہے رشتے ناطوں میں
کہ اپنے دل میں ان کو جتنی اپنانے کی خواہش تھی



غزل

درد ہی اس کا حاصل ہوگا
دل میرا اس قابل ہوگا

دیکھ کبھی طوفان میں اُتر کر
سامنے میرے ساحل ہوگا

تیرے شوق کے افسانے میں
میرا ذکر بھی شامل ہوگا

بزم میں جو بھی بِسمل ہوگا
ظاہر ہے میرا ہی دل ہوگا

ہوگا فریدؔ اُس محفل میں جو
اُس کی نظر کا گھایل ہوگا



غزل

ساتھ ہے میرے درد کا صحرا
کوئی نہیں شناسا چہرہ

یہاں نہیں حق گوئی ہرگز
ہر جانب ہے جھوٹ کا میلا

پھر بھی اُمڈ آئی تنہائی
آنگن میں تھا بٹھایا پہرا

ذہن میں اُتریں کس کی یادیں
آنکھوں میں ہے کس کا سپنا

پوچھ فریدؔ خستہ جاں سے
بجھا بجھا سا کیوں ہے چہرہ

غزل

سربسر گردشِ ایام کا پیکر ہوں میں
جو پگھل سکتا نہیں ہے وہی پتھر ہوں میں

دنیا سازی نہیں دل سازی ہے ایماں میرا
جس کا پیغام محبت ہے وہ پیکر ہوں میں

رشتوں کی بھیڑ میں گم ہونا کہاں سیکھا ہے۔
راہ رو آپ ہی ہوں آپ ہی رہبر ہوں میں

میں سناؤں بھی جہاں میں کسے حال اپنا فریدؔ
میری اوقات ہی کیا کس کے برابر ہوں میں



غزل

سُرمئی صبح کی میں شام کی دیوانی ہوں
کیا کہوں کون سے نظاروں کی مستانی ہوں

کس کی جرآت ہے زمانے میں مٹائے مجھکو
عشق ہوں زندگی میں اس لئے لافانی ہوں

اپنی ہی موج میں جو بہتا چلا جاتا ہے
میں کسی بہتی ہوئی ندی کا وہ پانی ہوں

آپ کی داستان میں ذکر مرا شامل ہے
آپ میں جذب ہوں میں اس لئے لافانی ہوں

کتنی مجبور ہوں لاچار ہوں بے بس ہوں فریدؔ
وہ نظر آتا نہیں جس کی میں دیوانی ہوں

غزل

دل کے جذبوں میں سرسراہٹ سی
جیسے خوابوں میں کوئی آہٹ سی

اُس کی نظروں میں شوخئ گفتار
میرے ہونٹوں پہ کپکپاہٹ سی

روبہ رو ہیں عجیب سے منظر
کیوں ہے آنکھوں میں تھرتھراہٹ سی

ہم نے کیا ایسا کہہ دیا آخر
کس لئے ہے یہ تلملاہٹ سے

ہر نظر میں ہیں نور کے پیکر
ہر نظر میں ہے جگمگاہٹ سی

یاد آتا ہے جب بھی کوئی فریدؔ
دل میں ہوتی ہے کپکپاہٹ سی



غزل

عمر گزری مری سرابوں میں
ذکر ہوگا کہاں فسانوں میں

جان و دل میں ہے کشمکش سی عجیب
ڈوب جاتی ہوں کن جہانوں میں

آدمی تھا خلوص کا پیکر
ہم یہ پڑھتے رہے کتابوں میں

اس طرف بھی اک نگاہِ کرم
آپ کھوئے ہیں کن خیالوں میں

ضبط لازم ہے دورِ نو میں فریدؔ
زندگی جذب ہو نہ اشکوں میں

غزل

مدت سے دل پر طاری کیسی شکستگی ہے
کس سے کریں بیاں ہم یہ کوئی زندگی ہے

اک ہم ہیں گلستان میں جو ہیں بجھے بجھے سے
جو چیز بھی ہے ورنہ اُس پر شگفتگی ہے

تو ہے مرا اثاثہ تجھ سے ہے میری دنیا
کیوں کر کہوں یہ تجھ سے تو میرے بندگی ہے

برسے جو کوئی قطرہ لگتا ہے جام جیسا
ہمراہ اپنے کتنے جنموں کی تشنگی ہے

یہ کیا معاملہ ہے اب تک سمجھ نہ پائے
وہ ہے فریدؔ پھر بھی دل میں کوئی کمی ہے



غزل

کون آئے گا ساتھ نبھانے
ہم جانے جاتے دیوانے

راکھ سے پھوٹیں گے انگارے
دور دور رہتے پروانے

حاصل ہو جب قرب تمہارا
یہ پل کس درجہ ہیں سہانے

راس ہے دل کو چشم کرم وہ
اب لگتے ہیں غم بیگانے

ہر دم وحشت سی طاری ہے
بکھر نہ جاؤں کسی بہانے

آج فریدؔ خستہ دل بھی
شاید آئی غزل سنانے



غزل

اس درجہ زندگی کے ستاتے ہوئے ہیں ہم
ورنہ ڈگمگاتے اس طرح ہرگز نہ یہ قدم

کس کو سُنائیں جاکے کبھی دل کی داستان
کس کو دکھاتیں جاکے کبھی اپنے دل کے غم

کیا جانے ڈھونڈتی ہے "سُلگتی بہاریں" کیا
کیا جانے گلستان میں پڑے کس کے یہ قدم

پروانہ جاکے کس سے کرے کوئی گفتگو
کیا کہیے روشنی ہوتی شمع کی کتنی کم

تم کو ہوا اعتراف تمہاری ہے یہ فریدؔ
مجھکو یہ اعتراف ہے تم ہے مرے صنم

غزل

ہم کہ غم سے عجیب نڈھال رہے
کیا کہیں کتنے خستہ حال رہے

کون کس کا یہاں بنا اپنا
کس قدر لاجواب یہ سوال رہے

اختلافات بھی رہے قائم
دل کے رشتے مگر بحال رہے

وہ نہ ہونٹوں کو دے سکے جنبش
اپنی نظروں میں سو سوال رہے

جو بھی کہنا ہے اُن سے کہہ دو فریدؔ
کس لئے دل میں کچھ ملال رہے

غزل

تصورات میں کھلتی کلی کا نقشا تھا
مگر جو سامنے دیکھا طویل صحرا تھا

نہ ہوسکا کبھی اظہار اُس کا رونے سے
میں کیا کہوں مرے دل پہ جو گہرا صدمہ تھا

کسی بھی بستی کا نام ونشان نہ تھا باقی
کہ میری آرزو کا شہر ایسا اُجڑا تھا

ہر اک نے انجمن میں داستانِ شوق کہی
مرے لبوں پہ مُری آرزو کا نوحہ تھا

جو دیکھ کراُسے آنکھیں چھلک پڑی ہیں فریدؔ
میں کیا کہوں کہ مرا اُس سے کیسا رشتہ تھا

غزل

زندگی بے آسرا گذرے گی یہ سوچا نہ تھا
خود سے ہم بے زار ہو جائیں گے اندازہ نہ تھا

میں کہ دشتِ زندگی میں ٹھوکریں کھاتی رہی
کوئی بھی مجھ گم شدہ کو ڈھونڈنے نکلا نہ تھا

اب سرکنے سی لگی ہے یہ جوانی غم نہیں
شوخ جذبوں کا سفر میں نے کبھی کاٹا نہ تھا

دفعتاً جب سامنا ہوگا تو پوچھو گے سوال
کیا زمانے میں سوائے میرے کوئی تیرا نہ تھا

اک رواں لمحہ ہوں اس کا میرا روشن ہے ضمیر
دل کے جذبوں کا حسین موسم کہیں ٹھہرا نہ تھا

تم نے اپنے پن کا توڑا ہے بھرم تو کیا ہوا
ایسا ہو سکتا نہیں مجھ کو کبھی دعوائ نہ تھا

غور سے تو دیکھ کر پہچان میرے ہم سفر
پھر یقین ہوجائے گا کوئی یہاں مجھ سا نہ تھا

راز کُھلنا تھا کسی دن کُھل گیا آخر فرید
میں نے سمجھا تھا جسے اپنا مرا اپنا نہ تھا

غزل

کچھ سناٹوں کا بھی لشکر آئے گا
سامنے ان دیکھا سا منظر آئے گا

گھٹا کے ہمراہ ڈوب رہا ہے یہ دل بھی
کبھی اُبھرنے کا بھی منظر آئے گا

کتنی دیر وہ ٹھہرے ہم کہہ سکتے نہیں
لیکن محفل میں وہ دم بھر آئے گا

میرا سفینہ ڈوب رہا ہے ڈوبنے دو
آخر میں بے آب سمندر آئے گا

میں مصروفِ سفر ہوں اک مدت سے یوں
راہ گزر پہ کب اُس کا گھر آئے گا

تم اخلاص و محبت کا پیکر ہو فریدؔ
راس تمیں اک روز تو دلبر آئے گا



غزل

ہم کہاں ہیں نہیں ہے اتنا ہوش
تیری یادوں سے جب ہیں ہم آغوش

دل تڑپتا ہے وہ صتم ٹوٹے
ہم مزاجاً تھے کس قدر خاموش

کیوں مٹالیں نہ تشنگی اپنی
جب وہ آیا ہے مے کدہ بردوش

دل کے داغوں کی کیا بہاریں ہیں
اب گریباں کا بھی نہیں ہے ہوش

کیا ہوا زندگی کی قدروں کو
ہر قدم پر ملے ضمیر فروش

پیاس پھر بھی نہ بُجھ سکے گی فریدؔ
لیکن میں کرلوں سمندر کو نوش



غزل

سفر طویل تھا لیکن ٹھہر بھی سکتی تھی
میں اُس سے پیار کا اظہار کر بھی سکتی تھی

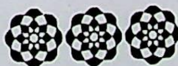
کسی کی وادی دل میں اُتر بھی سکتی تھی
اگر یہ آرزو ہوتی نکھر بھی سکتی تھی

ملانہ تیری نظر کا کوئی اشارہ تک
ہر ایک مرحلے سے میں گزر بھی سکتی تھی

میں اک کلی تھی مہکتی رہی گلستان میں
صبا کے چلنے سے ورنہ بکھر بھی سکتی تھی

نہیں کچھ اور مجھے وہ خلوص سے ملتا کاش
میں جان و دل سے محبت میں مر بھی سکتی تھی

عجیب رنگ سے پیش آیا ہے یہ مجھ سے فریدؔ
یقینِ اہل زمانہ کا کر بھی سکتی تھی



غزل

آؤ ایمانِ دل کی بات کریں
یعنی آباد کائینات کریں

مُنجمند ہو چکے ہیں احساسات
آتشِ پیرہن کی بات کریں

کس کو حاصل ہے ان پر اختیار کوئی
جو بھی چاہیں وہ حادثات کریں

کون اپنا ہے اس زمانے میں
کس کو اپنا سمجھ کے بات کریں

چاند بھی تو نہیں فلک پہ فریدؔ
اب بسر کیسے اپنی رات کریں

غزل

پچھلا پہر تھا خواب بھی مہکا مہکا تھا
اور خواب میں وہ معصوم سا چہرا تھا
یارب اہل دل کا محافظ تو ہی بن
راز ان کا جو تھا تجھ سے وابستہ تھا
دن کے جھمیلوں میں جی نہیں لگتا تو کیونکر
میری نظر میں وہ مہہ تابان ٹھہرا تھا
موسم گل تھا میرے لئے بے معنی سا
جب اس دل پر اُس کا نصور چھا یا تھا
لگتا تھا برسوں کی ہے پہچان اس سے
اس نے جس انداز سے مجھ کو دیکھا تھا
کس اُلجھن میں میں بھی گھری ہوتی تھی فریدؔ
جب منزل تھی اور نہ کوئی رستا تھا



غزل

کل گلشن کا نقشا تھا
آج سراسر صحرا تھا

بھول بھی سکتے تو کیونکر
دل پہ صدمہ گہرا تھا

کہیں نہیں تھا نام و نشان
دل کا نگر یوں اُجڑا تھا

بدتر تھا بے گانوں سے
کہنے کو وہ اپنا تھا

تھا کیسا مے خوار فریدؔ
پی کر بھی جو تشنہ تھا

غزل

دل نہ جانے کس کا دیوانہ ہوا
زندگی پل پل کا افسانہ ہوا

دل کی قیمت وہ نہ سمجھے گا کبھی
سوزِ دل جس کا نہ پیمانہ ہوا

وقت دے گا کیا اسے عنوان پھر
مختلف جب میرا افسانہ ہوا

اس پر یہ آنکھیں ہوتیں پہلے نثار
ہوتے ہوتے دل بھی دیوانہ ہوا

کل مرے سائے کی صورت تھا فریدؔ
آج مجھ سے وہ بھی بیگانہ ہوا

غزل

کس کی یاد کا صحرا شکستہ پا سا لگے
خود اپنا سایہ بھی مجھ سے خفا خفا سا لگے

جو اس کے بغض طورِ عناد ہیں جانتی ہوں میں
وہ دیکھنے میں زمانے میں پار سا سا لگے

میں اس روشنی کی بھیک مانگتی کیونکر
یہ زندگی مجھے ظلمات کا دیا سا لگے

جو اس میں خوبیاں ہیں مجھ سے مختلف ہیں بہت
اسے جو دیکھوں تو مجھ سے بہت جدا سا لگے

نہ میرے پاس سے گزرے گزرنے والا فرید
محبتوں کا یہ دریا چڑھا چڑھا سا لگے

غزل

دل ہے گم گشتہ عالم میں
رہتا ہے یہ پریشاں غم میں

کون سُنے آواز حق کو
پگل رہی ہوں میں اس غم میں

میں نے سب کو اپنا سمجھا
عمر کٹی ہے اسی بھرم میں

راحت غم جب ساتھ ہوں
کھو جاتی ہوں میں سرگم میں

وہ سمجھے گا غم کی عظمت فریدؔ
جس کی کٹی ہے اُس کے غم میں

غزل

سفینے کا آخر سہارا ہوا
تلاطم ہی میرا کنارہ ہوا

نگاہیں اسے دیکھتی رہ گئیں
اسے دیکھ کر کیا نظارا ہوا

مجھے مل نہ پایا وہ رنگِ وجود
کہ سایا ہی اپنا سہارا ہوا

فریدؔ اسکی ہر بات پہ چپ رہوں
نہ دل کو مرے یہ گوارا ہوا



"ترنگ"

صویرے آج اپنے نہاں خانوں میں جھانک کر
نہ جانے کیوں خود بخود آنسوں ٹپک پڑے
میری سوچتی ہوئی نگاہوں سے
پونچھتے پونچھتے آنسوں کے دامن سے
عزم یقین کے موتی ,گر پڑے
میری خموش زبان سے

کہ
''میں جوگن بن جاؤں''
یہ جان کر بھی
کہ تلخ ترین طعنوں سے
ہر پل میرا دم گھٹ جائے گا
جیتے جی موت کا ہر پل سامنا ہوگا
لیکن یہ کیا کم ہے میرے لئے

جو دیکھ سکوں میں کہ
دہکتا ہوا گلستان تو
مہکتا رہے سدا

"عالم ناآشنائی"

یہ کسی کے نورانی پہلو میں بیٹھ کر
مجھے آج یوں محسوس ہوا
کہ میری برسوں کی گمشدہ پرچھائیں
مدتوں کی جستجو کے بعد پھر
میری نشانہ، نظر بن گئی
لمحاتی سکون کے تنکے جمع کئے میں نے
کہ نورانی پیکر سے میں
آج جی کھول کے باتیں کروں
خواہ تھوڑی دیر ہی سہی

لیکن
اک لفظ "ناآشنائی" سے
میرے غم کدہ سینہ میں دفعتاً
اک نئی چنگاری جلا کے رکھ دی
جس نے

میرے لمحاتی سکون کے تمام تنکوں کو
اک آن میں راکھ کا ڈھیر بنا دیا
اور
میں خاموشی کی نذر آتش ہو گئی
راکھ میں میرا سب کچھ غائب ہوا۔



"دوج کا چاند"

تم ممتا پا کر بھی

ممتا کو کھو بیٹھے

میں نے ممتا کھو کر بھی

ممتا کو پایا ہے

پھر بھی

دکھوں کا یہ رنجِ عکس

تیرے میرے چہرے سے عیاں ہے

خموش لب و لہجہ سے بیاں ہے

دکھوں سے تیرا میرا رشتہ گہرا ہے

یہ دکھ ہم آہنگ نہ سہی

پھر بھی

اک سکھ کی خاطر

اک دوسرے کا یاس بھرا چہرہ

ہم پڑھ سکتے اور پہچان سکتے ہیں

اَن کہے دکھوں کا مداوا کر سکتے ہیں
جن کو ہم نے
سوغاتِ زندگی جانا
پس دکھوں کو بانٹنے کے واسطے
آ!
سکھوں کی خیرات مانگیں
ہم تم
اُس زندگی سے
جو دوج کا چاند کہلائے
فقط ہمارے لئے۔

"بے یقینی"

میری سانسوں کی ہمراز
میرے شب وروز کی ہمدم
تم آگاہ ہو
کہ بھروسے کی سانس رک گئی
اعتبار کی کلی مُرجا گئی
وہ حروف وہ الفاظ
محض اک ذہنی عیاشی
خالی خولی مبالغہ آرائی
گُم شدہ تسلی کی سوغات نہیں
بے یقین اعتبار کے اثبات نہیں

نہیں تھا معلوم
کہ احساس کے یہ گہرے بندھن

ایک شیشہ کی مانند

نازک اس قدر

کھسکیں تو کھٹکے ازیتوں کی طرح

پھسلیں تو چبھے کرچیوں کی طرح

تم آگاہ ہو

کہ زیست کا اک سکھ پانے کی خاطر

ذرا احساس پر جھانکا تھا

لیکن

اس کے برعکس حسرتوں میں بھیگ گئی

آس بھرا چہرہ زخمی ملا

دامن اعتبار تار تار ملا

خود پرستی کے بندھن

عیاری کے یہ ناطے

مبارک ہو تمہیں

اپنی فکروں کے متوالو

اپنے ذکروں کے متوالو

مروت کی کوکھ کے یہ دعوائے

دل بستگی کے جھوٹے بہانے
بھروسے کو توہین کر بیٹھے
اپنی انجمن کا نقش گر کوئی
وقتی مصلحتوں کا جادوگر کوئی

اب
یہاں تمہاری فریب دہی کا کوئی گزر نہیں
تمہاری تماشا بینی کا کوئی منظر نہیں
زیست کا اطمینان پاؤں
بیگانوں کی بھیڑ میں کھو جاؤں
دور بہت دور
کسی بے منزل راہی کی مانند

"ذکرِ فروزاں"

تمہارا ذکرِ فروزاں
میرے شعور و ادراک میں
منفی ہی سہی
لیکن میرے دل کی بزم میں
تمہاری فکر مسلسل

ان سرسبز وادیوں سے بھی
حسین و جمیل
صنوبر چوٹیوں سے بھی
بلند و جلیل

ذکر۔ میری لاج کا سامان
ذکر۔ میری لمحاتی پہچان کا نشان
اجنبی پرچھائیوں میں
اک لاجواب سوال

عبادت جسے میری فکر کی عظمت

موجزن جسے میرا جذبہ غمِ دل

تم نہ سہی تمہارا غم ملا

درس فکر و قلم ملا

وسعت خیالات کو ملی

رفعت احساسات کو ملی

یہ کم نہیں

کہ تمہارا ذکر بے اختیار لب پہ آئے

یہ غم نہیں

کہ تمہاری فکر اُفقِ ذہن سے اُبھر آئے

اسی کو شاید پروازِ حسن و الفت کہتے ہیں

اسی کو شاید جذبہ دل کی کرامت کہتے ہیں

"جامِ غم"

نہ راہ نہ کوئی جاوہ
نہ منزل نہ کوئی جستجو
بس اک گردشِ ایام
نظروں میں فکروں کا جام
میں کیا میری ہستی کیا
یہ مئے اور مستی کیا
خون دل کے گھونٹ پی لوں
یا سوچوں کے ہونٹ سی لوں
میرا میکدہ۔ ارمانوں کی قربان گاہ
میرا جام۔ سوچوں کی تجربہ گاہ
تم میری سانسوں کی ہمراز!
مجھے جامِ گم کے تلخ گھونٹ
جستہ جستہ پی لینے دو

فکرِ افروز میں پگھلنے دو

کیسے ان غموں کو ٹوکوں

کیسے ان سوچوں کو روکوں

یہی میرے گراں مائیہ ذہن کی

نکھرتی اُبھرتی تصویریں

میری روئیداد ہستی ہیں

ان ہی سے پایا راز ہستی

ان ہی سے سیکھا سازِ ہستی

یہی میری مئے اور یہی میرا جام

یہی لذت صبح یہی تلخ شام

حشر انگیز ہیں اشک میرے

انہیں جامِ غم سے بہنے دو

اور خونِ دل کی سُرخیاں

آج جامِ غم لکھنے دو۔

”تشنگی“

کتنی عجیب جنونِ شباب کی ڈگر
اک تشنہ لبی مسلسل
اک جام تہی مسلسل
عجیب ہے بند آنکھوں کا نگر
شعلہ تپاں وجود سیراب جیسا
تڑپتی روح جستہ جستہ شاداب
پیاسی نگاہوں میں لہراتا ساغر
بند ہتھلیوں پر چھلکتا ہوا جام
اُگتی شریانوں میں
اک فعال احساس کی سرگوشی
کتنا بے باک، شوخِ چنچل
جیسے کسی روماں پرور کی غزل

لیکن

آ گہی کی جھلستی دھوپ

مقدر ہے احساس کا

پیامِ مرگ ہے احساس کا

پھر وہی تشنہ لبی کا احساس

نہ ساغر نہ جام

فقط اک دردِ بے نام

تشنگی کا نقاب لئے

تشنہ لبی کی جھاگ لیے

"چرخہ"

اک پیش افتادہ چرخہ
مٹی کی پرچھائیں کا ورثہ
کتنا خود بین و خودنگر۔ وہ چہرہ
غم کے طوفانوں کا خوگر۔ وہ چہرہ
جھیل سی آنکھوں میں زندگی کی رمق
بے غازہ چہرے پہ جیسے شام کی شفق
سیاہ مخمل بال مگر خمدار
ہلکی سی ہنسی پہ آنکھیں نمدار
مٹی کی یہ نادیدہ پرچھائیں
عیش کی بزم میں پلی بڑھی
لیکن تقدیر کی ستمگاری نے
سرِ بازار چوکھٹوں پہ
بے منزل چوراہوں پہ
تن تنہا چھوڑ دیا

روگی بنا کے رکھ دیا

جہاں ریزہ ریزہ رشتے کا تن

لہولہاں اُس کا سارا بدن

سینے پہ چھالے اذیتوں کے

داغ جیسے جراحتوں کے

آخر یہ روگ مرگِ بہانہ بنا

دردِ زیست کا فسانہ بنا

نِگل لئے گیا اُس کا رنگِ وجود

اُڑا کے لئے گیا اُس کا ہست و بود

اب یہ چرخہ اُس کا

ورثہ داروں کے لئے اک یادِ فروزان

پیاروں کے لئے ممتا کا اک نشان

محروموں کے لئے ممتا کی تصویر

آج برسوں کے بعد یہ چرخہ میں نے دیکھا

بے صوت و صدا خستہ

کتبہ کی خستگی کی طرح۔

''درِاحساس''

عصرِ رواں کی اک دوشیزہ

مانند بے نام شرین

درِاحساس پہ سرگرداں

رشتۂ احساس کے اظہار پہ

ہر سونا کہ بندی ہے

ہر سو پہرہ داری ہے

متضاد جسموں سے آگاہ

جذبات سے کوسوں دور

پھر بھی

درِاحساس کو وا کرنے پر

ہر سو پابندی ہے

لیکن

رشتۂ احساس کی شورشوں میں

نمایاں ہے اُس کی اعتدال پسندی
وہ کرتی رہے گی سدّا
اپنے نگر کی شانِ پروری۔

"شہرِ خموشاں"

سنگلاخ چٹان پہاڑ گویا

اُونچی فصیلوں سے سجا سجایا ہوا

مضبوط دیواروں سے بنایا ہوا

یہ شہرِ خموشاں میرا

لیکن خاموش کہاں

لمحہ بہ لمحہ شور شر اور ہنگامہ خیزیاں

لمحہ بہ لمحہ کہرام اور محشر خیزیاں

یہاں چٹانیں بھی ہلتی ہے۔

یہاں فصیلیں بھی کھسکتی ہیں

یہاں دیواریں بھی گرتی ہیں

لیکن اس سب کا چشمِ دید گواہ کوئی نہیں

سوائے میری نگاہوں کے

میں مانوس بھی مایوس بھی

پلتی ہوں اسکی لرزہ خیز آغوش میں

بہہ جاتی ہوں اس کے طوفانی بہاو کے ساتھ

کھوتی ہوں کیا کیا میں

اور پاتی ہوں صرف ذرّہ ذرّہ کھنڈرات

تجدید اُن کی کروں کیسے؟

تعمیر اُن کی کروں کیسے؟۔

''کاش''

کاش تم میرا ہاتھ تھامتے!
صرف میرا ہاتھ
اور تم میری جواں یادوں کے سہارے جیتے
اپنی رسمی اور روایتی یادوں کو بھلا کر
تم فقط میرے تذکروں کے مقرّ رہوئے
پل پل کی بزم میں
اور تم فقط میری آرزوں کے مفکر ہوئے
ہر کروٹ، ہر انگڑائی میں
کاش تم بھی جوانی دیوانی کی دھیمی آنچ سے سلگ رہے ہوتے
اور تم نے بے وقت کی تنہائی نہ سہی ہوتی
تم نے بھی مچلتی خواہشوں کو دفنایا ہوتا
اور خود کو بندھنوں میں اس قدر جکڑا یا نہ ہوتا

تب تو

شاید دونوں کے تصورات یک رنگ ہوتے
دونوں کا خانہ تنہائی یکساں ہوتا
دونوں کی پونجی حسیں یادیں ہوتیں

”عذاب“

ہائے درد کا وہ عذاب
سما گیا جب تو اس بدن میں
ظاہر ہوا ضیف و نحیف بدن میں
چھاتی، گردہ دل اور دمے کا درد
درد کا اس قدر انبار
سینے کے آر پار بسمِل کی طرح
چھلنی کر گیا سارے وجود کو

ہائے! پھر وہ آخری عذاب
چند گھڑیوں کا سہی
لیکن درد کا صحرا بن گیا چشمِ ذون میں
منتظر تھا جس کا اس بجھتی نگاہ میں
درد سے تھراتے ہوئے اُس بدن کو
متواتر عذاب کا سماں پیش منظر تھا

پس چپ ہو جانے سے قبل
غیر مناسب طبعی عوامل سے
بے دردانہ آلات سے
درد سے سسکتی ہوئی زبان ہمیشہ کے لئے
چُپ ہو گئی
نیم باز آنکھوں کی یہ بے ہوش صورت
شعور میں لاشعور کی کیفیت ملا دی
اور جامِ موت نوش کر گئی
دی گئی داغ مفارقت مجھکو
چھوڑ گئی تنِ تنہا مجھکو
بے منزل راہی کی طرح
لمبی راہ گزر پر
بھٹکنے کے لئے۔

''شادمرگ''

(اپنے والد مرحوم کی یاد میں)

عمر رواں پہ برسوں کا چھایا ہوا

عزیز و قریب، شفیق و رفیق

اک قدر آور سایہ

ہمیشہ کے لئے

سادگی و سادہ لوحی کا پیکر

اخلاص و محبت کا پرتو

وعدہ وفا کا مجسمہ

خاکی زروں میں تحلیل ہو گیا

ہمیشہ کے لئے

وہ سچ مچ ہر اک کے مُحب تھے

غیروں پہ مر مٹتے تھے

اپنوں کی ناراضگی مول لے کر

دوستوں کے دلبر تھے
شناسوں کے قدرداں تھے
شفقت کی یہ آپنی تصویر
دریچوں میں بدل گئی
ہمیشہ کے لئے۔

آیات کی رحمت لے کر چلے
اولیائے کرام کے سچے معتقد
''محدومی [1] اور سرخابی [2]'' کی عنایت لے کر چلے
قبل چار ماہ کالے سایہ کی آگہی سے
فیضیاب ہوئے خود بخود
نصیحت کے ساتھ وصیت کرنے لگے
نیکی کرو، نیکی اپناؤ، نیک بنو
محسن
ہر حسن کے احسان مندر ہو
بزدآزما ہو کے خلوص جاری رکھو
اک بے نام قندیل کو جلائے رکھو
اب

ان کی شفقت کی یہ انمول نشانی میرے لئے

بس کہ

شادمانی کی اک میری گھڑی

ان کے لئے پیغام موت لئے آئی۔

وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑے

سُکھ کے لمبے سانس لینے لگے

یہ کیسا عجیب وغریب عالم!

کہ وہ شریک سفر رہے میرے

میرے غموں میں میرے سایے کی طرح

لیکن

میری اک ہلکی سی مسرت دیکھکر

خودشادمرگی کا جام نوش کر گیے۔

اب

میں اور درد کا یہ انبار

تخم روح کو

وقت کی آغوش میں پالونگی۔

[1] حضرت شیخ حمزہ ولی کامل کے بے حد معتقید تھے۔

[2] سید صاحب سرخابی کے بے حد معتقید تھے۔اوران کی نماز جنازہ انہیں صاحب کے

آستانہ عالیہ میں پڑھی گئی۔حضرت سید سرخابی (کاوڈارہ) کے بھی بڑے معتقید تھے۔

''اُبھرتا ڈوبتا منظر''

غمِ غلط کروں
یا اپنی موہوم خوشیوں پہ
مرثیوں کے بند لکھوں
سوچتی ہوں
بالیدہ عمر کے کن کن صدموں کا ماتم کروں
مانگوں کیا چاہوں کیا؟
کیا پاؤں کیا کھودوں؟
میرا مقدر
کروٹ کروٹ انوکھا
بجھتی نگاہوں سے
ڈوبتے مناظر دیکھتی رہی
اُس غم کے پیالے نوش کرتی رہی۔
جو مجھ سے لپٹ کر

میرے سایے کی مانند

اب میری چند خوشیاں
ویران دل میں کیا کام آئیں گی
''شامِ غریباں'' میں پڑھ کر
کیوں نہ مرثیہ کے بند لکھوں
کیوں نہ اپنی نوحہ کناں بنوں
خواہ میرا ہمراہ کوئی ہو نہ ہو۔

''نوحہ خوانی''

ماتم زدہ ہوں

مگر خاموش تماشائی بھی

ہر سو الم ہی الم

وحشت زدہ ہوں

ماتم کی آہیں بھروں

یا افسردہ سکیاں بھروں

پھر بھی خاموشی کا زہر پی لوں

خود کو جھانکوں جب

عجیب خالی پن پاؤں

نظر۔ سونی سونی سی

فکر۔ بکھری بکھری سی

اظہار۔ سہما سہما سا

حادثات زِندگی کا الجھا ہوا

ترسیل سے بے نیاز

گونگے کی مانند

اب کہاں پاؤں؟

وہ سامع!

جو سنے میری نوحہ خوانی کو

اب کہاں ڈھونڈوں

وہ ہمراہ!

جو شریک ماتم ہو میرا

چارہ ساز بن کر۔

''مزار''

جسم بدن کا مزار نہیں

خالص روح کا مزار کہیں

الفتوں، محبتوں، اُمڈتے جذبوں کا مزار

جن سے شعری پیکروں نے جنم لیا کبھی

مکتوبِ وفا میں تحریر شدہ داعوں اور وعدوں

اُمنگوں اور حوصلوں کا مزار

جن سے مسافتیں منزل بنیں کبھی

شوخ جذبوں اور ہم سفر ساعتوں کا مزار

جن سے دوشیزگی کا کرب اُگلا کبھی

خوابوں، مصلحتوں اور رفاقتوں کا مزار

جن سے جانے والے کی وصیت اور

اک خودنگر کی انا پرستی زندہ تھی کبھی

اب

اس احساس و آگہی کی اک زندہ لاش کو

کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے ہوں
مزار کونہاں خانوں میں چھپائے ہوئی ہوں
زندگی بس بے دلی اور بددلی سے عبارت ہوئی یوں
پھر بھی جیئے جارہی ہوں
یوں
کہ ہر سانس بیگانہ گزرے
ہر آس فسانہ گزرے۔

''چقماق''

واہ! کیا لڑکپن

اور وہ مرمریں چقماق

دو چنگاریاں متصادم ہوگئیں

اک مبہم، دُھندلی سی

مگر شوخ قوسِ قزح جیسی

دوسری آئینہ نما بے لوث سی

مگر سورج کی پُرنور کرنوں جیسی

للّٰہ! یہ تصادم

اتنے جنموں کے بعد

تھم گیا طوفان

چھٹ گئے بادل

اُجالے ہوسو چھانے لگے

کہ تاریکی شرمسار ہوگئی

"واہ! میری آہ"

واہ! چودھویں کی چاندنی
سنگِ مرمر راو پہلی کرنیں
ہر سو سیاہی سے سفیدی پھوٹنے لگی
نیلگوں آسمان پر
جھلمل جھلمل کرتے ہوئے ستاروں کی اک کمند

چاندنی کی سرسراہٹ
کرنوں کی مدھم آہٹ
اُف! چاندنی سے میرا ملن
کھل اُٹھا میرا ویران چمن
چکا چوند کر گیا میرے وجود کو
جگایا پھر سے میرے سوئے ہوئے ذوق کو

آہ! کوئی ہو تھام لو مجھے
دیکھو! میں گھائل، نیم مردہ اور بے حس

کاش کہ میں اندھی ہو جاتی

میری حرکت قلب بند ہو جاتی

نہ چاندنی کا وصال ہوتا

نہ غمِ تنہائی اس درجہ ستاتا

نہ حسرتیں جھاگ اُٹھتیں

نہ مسرتیں ڈھ جاتیں

یہ میرا انوکھا ذوق!

اُچھل اُچھل کر مچلنے لگتا

نہ کوئی اپنی تشنگی پر دست و گریباں ہوتا

اور نہ میں جیتے جی نیم مردہ لاش گمنام

بے کفن لاوارث کی طرح

گمنام لاش گھر میں پڑ چکی ہوتی۔

"چھوئی موئی سے اک مکالمہ"

جو پوچھا کہ
چھوئی موئی کی صورت کیسی؟
بولی۔ تیرے سبزہ زار انجان سی
نرم رفتار پیکر جیسی
یہ پنکھڑی جیسی نزاکت کیسی؟
بولی۔ تیرے مہکتے سوالوں جیسی
تیرے صوفیانہ خیالوں جیسی
اور تیرے شاعرانہ اداؤں جیسی
یہ سبز رنگت کیسی؟
بولی شوخ اور گہرے
تیرے ذوق نظر کے رنگوں جیسی
اور یہ ثبات کیسی؟

بولی۔ پتہ پتہ سے مل جانے تک

پتہ پتہ سے کھل جانے تک
گو کہ یہ ملن درس ثبات بھی ہے۔

اور

یہ وصل پیام مرگ بھی ہے۔
تیری سرمئی تن کی مانند۔

"تم فقط تم ہو"

تمہارا رشتہ
ہر رشتے سے عظیم تر پایا
تمہارا یہ ناطہ
سایۂ اشجار پایا
تمہارا یہ بے آس بندھن
رواں سانس سے بھی قریب تر پایا
تم سے وابستہ
میری نہ کوئی آس
تم نہ میرے ماضی کا کوئی قریبی آشنا
تم نہ میرے مستقبل کی کوئی سواد
تم سے نہ میرے خیالات کی ہم آہنگی اتنی
اور نہ ان مچلتے جذبات کی کوئی وابستگی
جن سے میرے دوشیزگی عبارت ہے۔

مگر تم فقط تم ہو

جو میری منفرد فکر و احساس کے قدرداں

جو میرے زاہدانہ خیال کے ترجماں

جو میرے عاشقانہ مزاج کے ہمراز

جو میرے ''غیور انا'' کے ہمنوا

میرے سبک رفتار پیکر کے جلوہ گر

میرے تلخ نوامی و شیریں لبی کا نغمہ گر

میرے بھولے پن اور معصومیت کے محافظ

میرے چلبلے پن کے رمز آشنا

میری انسان نواز دلبری کے دعویدار

نہ صرف اتنا

شاید

بلکہ معصوم اور ناداں میری دوشیزگی کے محافظ بھی

"خوشبو"

خوشبو سونگی ہی کب تھی
کہ مجھکو انجانے میں چھوکر
اُڑ گئی
فضاؤں میں بکھر گئی
فضائیں بے کراں ہیں
ہوائیں بدگماں ہیں
مُڑ مُڑ کے دیکھتی ہوں
خوشبوؤں میں ملبوس تتلیاں
میرے من کے آگن میں
خیمہ زن تھیں کبھی
ہاتھوں میں پیغام لئے
کیف و مستی کا جام لئے
لیکن

کھڑی تھی میں تشنہ طلبی کی راہوں پہ
نہ خوشبو کبھی سونگھ سکی ہوں
نہ اُن تتلیوں کو دیکھ سکی ہوں
نہ ہی اُن کا پیغام شوق پڑھ سکی ہوں
اور دیکھتے ہی دیکھتے
خوشبو خوشبو نہ رہی
فقط آرزوئے جاں بن گئی

اب
اک پل گمانِ خوشبو
اور اک پل یہ رنگ بے بو



''یاد''

اُف! اُس یاد کا چشمہ
پھر اُمڈ آیا
وہ شیرین اور حلاوت بھرے لمحات
کڑواہٹ کی گھڑیوں میں بدل گئے
لمحہ لمحہ میرا مرنا کیا
لمحہ لمحہ میرا جینا کیا
اُس یاد کے تیز وتند جھونکے
میرے انگ انگ کو بہا کے لے گئے
میں خود فراموشی کے عالم میں بیگانہ
لیکن
من میں جھانک کر خونچکاں ملا میرا وجود
جس سے اُس یاد کا چشمہ موجزن ہوا۔
یاد میری قاتل بنی
من میرا مقتول ٹھہرا۔

''زخموں کی مہک''

اسیر رنج والم ہوں

پر بھی سخت جان ہوں

دھوپ کے شہر میں

اندھیروں کا سامنا ہے ہر پل

جہاں میرا آس بھرا چہرہ

ہوتا ہے زخمی ہر پل

مانا کہ میں زخم شناس ہوں

لیکن نظروں کے آر پار

رہتا ہے جب زخموں کا خنجر

تو شدتِ کسک میں

رہتی ہوں بدحواس پر پل

پھر بھی اس کے زخم کو
اپنی زندگی کی اساس سمجھکر
اپنے شریر کے ریشے ریشے کو

سونگھ لیتی ہوں جب کبھی بے خودی میں
تو چھو لیتی ہے اک انجان سی مہک مجھکو
جو میرے عزم کی شمع کو
میری آس کے دیپ کو
لبوں پہ شمع تبسم کو
رکھتی ہے فروزاں
بہتے پانی کی طرح رواں
انجان پرچھائیں کی محفل میں
یہ مہک فقط میری آشنا
میں اُس کی شناسا
زخموں کی پروردہ ہی سہی
لیکن کسک پر مجھے

گماں ہے مہک کا

جیسے صحرا میں ہوں

لیکن ہوں

آبِ رواں کی منتظر۔



بنتِ حوا

مانگ کی سرگوشیوں میں

طلب کی آہٹوں میں

تن کا رشتہ جوڑ کر

من کو نثار کر کے

بنتِ حوا

تصویر کائنات میں رنگ بھرتی ہے

تعمیر حیات کی بنیاد گذار بن کر

پھر بھی

کیا کوئی وجود زن سے

واقف ہے؟

نہیں ہرگز نہیں

اُس کا شبنمی دل

جس کی آنکھ سے وہ دیکھتی ہے

جس کے کان سے وہ سنتی ہے

جس کی زبان سے وہ بولتی ہے

فقط اک ''وہ'' ہے

جو اپنی جھوٹی۔فریب دہ انا پرستی میں

دل کی یہ ساری عمارت

اک آنکھ جھپک میں

اک پل میں مسمار کر لیتا ہے

مگر وہ ہے

کہ تعمیر حیات میں مگن

ہر سو بے اختیار ہی سہی

حیات آفرینی میں

دم بھرتی رہتی ہے

آدمیت سے

انسانیت کے

اعلیٰ وارفع مرتبے

تک

نسلِ آدم کو

لا کھڑا کر دیتی ہے


Quaf Printers 9419436635